کربِ مسلسل

برق الٰہ آبادی

کربِ مسلسل

برقؔ الٰہ آبادی

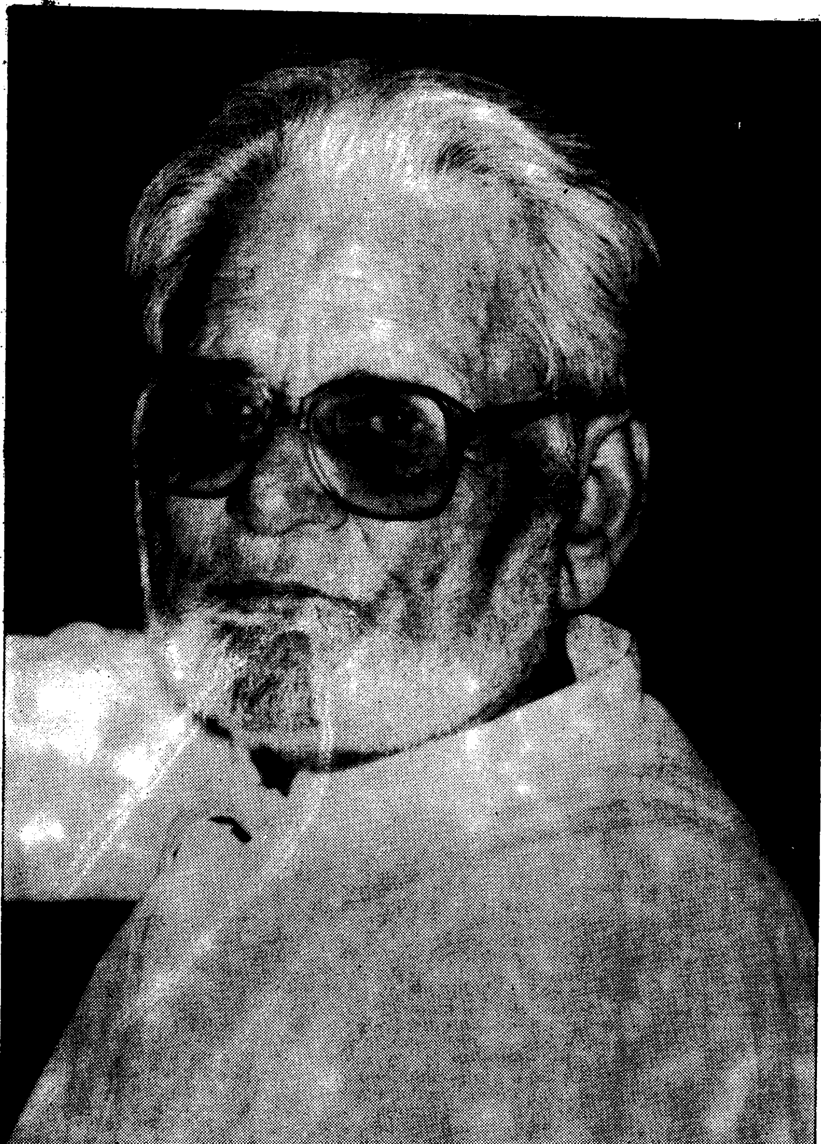

برقؔ رکھتے ہو اگر دیدۂ بینا دیکھو
اِس بڑھاپے میں چھپی ہے وہ جوانی میری

اِنتساب

نسبت ہے اس کتاب کی بچھڑے ہوؤں کے نام
ممکن نہیں ہے جن سے کبھی نامہ و پیام
ہر چند دور اور بہت دور ہیں وہ لوگ
لیکن بسے ہیں دل میں بصد عزّ و احترام

اُن کو مرا سلام
اُن کو مرا سلام

برقؔ اِلٰہ آبادی

اظہاریہ

○ بھائی صاحب۔ایک شخصیت ایک کردار ——— 9
ازجناب مشتاق حسن شبر صاحب

تبصرہ جات

○ برق الہ آبادی اوران کا کرب مسلسل ——— 13
ازجناب آل محمد رزمی صاحب

○ سچی اور کھری شاعری ——— 16
ازجناب امید فاضلی صاحب

○ کرب ذات کا شاعر ——— 20
ازجناب برق زیدی صاحب

○ حکایت مہروفا ——— 24
ازجناب پروفیسر سردار نقوی صاحب

○ حضرت برق الہ آبادی کی سچی شاعری ——— 29
ازجناب شاداں دہلوی صاحب

بھائی صاحب - ایک شخصیت ایک کردار

قارئین کرام "کرب مسلسل" پیش خدمت ہے۔ اس کے محاسن و معائب پر نظر کرنا آپ کا کام ہے۔ میں اس کتاب پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ اس کتاب کے اجراء پر میں فخر سے اپنا سر تو ضرور اونچا کرسکتا ہوں، لیکن اشعار کے محاسن اور شاعر کی بلندی افکار کی طرف دوسروں کی توجہ مبذول نہیں کرا سکتا اور نہ ہی میں اس سلسلے میں اپنے جذبات کو لب کشائی کی اجازت دے سکتا ہوں۔ اس لئے کہ اس موقع پر رجز خوانی کو میں اچھا نہیں سمجھتا اور نقائص (اگر کوئی ہوں) کی طرف نگاہ اٹھانے کی مجھ میں جرات بھی نہیں ہے۔ یہ سب اس لئے کہ اس کتاب کی خالق ایک ایسی ہستی ہے جو ہم سب بھائیوں بہنوں میں نہ صرف بڑی ہے بلکہ والدین کے انتقال کے بعد اس کے دامن شفقت کی خنک چھاؤں میں سب سے چھوٹا ہونے کے ناتے مجھے وہ پیار ملا کہ مجھے زندگی کی سخت دھوپ میں والدین کی کمی کا احساس نہیں ہوا اور آج بھی اسی کا دست محبت تھامے اپنی شاہراہ حیات پر محو سفر ہوں۔ اللہ ان کا سایہ ہم سب پر قائم و دائم رکھے۔

میرے بھائی صاحب کا پورا نام سید مشتاق مصطفیٰ ہے۔ برق الہ آبادی کے قلمی نام سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ تخلص کی توجیہ تو نہیں معلوم ہو سکی لیکن آواز کی گھن گرج اور کڑک میں شاید اس کا راز پوشیدہ ہو۔ موضع مگرسن، تحصیل ہنڈیہ، ضلع الہ آباد، یوپی، ہندوستان ہمارا سابقہ وطن ہے۔ آپ ۸ جولائی ۱۹۲۴ء کو ایک پڑھے لکھے سید خاندان میں پیدا ہوئے۔ دسویں امام امام علی نقیؑ سے رشتہ نسب ملتا ہے۔ اگر لفظ مگرسن کی علم الاعداد کی رو سے تخلیص کی جائے تو دس کا عدد باقی رہ جاتا ہے جو اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ علاقہ ہمارے بزرگوں کا آباد کردہ ہے۔ درحقیقت ہمارے

جدائی نے آپ کو مزید دل شکستہ و رنجور کردیا۔ ایک سال کے اندر اس یکے بعد دیگرے صدمات نے آپ کے دل ودماغ کو ہلا کر رکھ دیا۔ نتیجہ کے طور پر تحت الشعور میں دبا ہوا جذبہ شعر گوئی پھر افق شعور پر نمودار ہوگیا اور آپ کے واردات قلبی اشعار میں ڈھلنا شروع ہوگئے۔ اب یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ دوسری شادی آپ کا شوق نہیں بلکہ آپ کی ضرورت تھی اور دوسری بیوی ہی سے آپ کی اولادیں ہوئیں اور آج آپ ماشاء اللہ چھ بیٹیوں اور ایک بیٹے کے باپ ہیں۔ سارے بچے تعلیم یافتہ ہیں اور آپ ان کی ذمہ داریوں سے پوری طرح سبکدوش ہوچکے ہیں۔ آپ اب بھی پابندی وقت کے ساتھ اپنے دفتر آتے جاتے ہیں۔ صحت مند' چاق وچوبند ہیں اور ایک سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

موجودہ مجموعہ کلام کی زیادہ تر غزلیں آپ کے قلبی احساسات اور صدمات کی آئینہ دار ہیں لیکن اس سے ہٹ کر بھی آپ اپنی کوشش میں کامیاب کہلاتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کا ابتدائی کلام فی الوقت دستیاب نہ ہوسکا۔ اگر مل گیا تو دوسرے ایڈیشن میں شامل کردیا جائے گا۔ یہاں مجھے بھائی صاحب کی ایک غزل کے چند اشعار یاد آرہے ہیں جو آپ نے الہ آباد کے کسی طرحی مشاعرہ میں پڑھے تھے۔ آپ بھی سنئے۔

موسم ہے دلفریب فضا خوشگوار ہے
اے مست ناز آ کہ ترا انتظار ہے
مئے ہے سبو ہے جام ہے آغوش یار ہے
"اب واقعی بہار مکمل بہار ہے"
محفل میں تیری برق کولائی تھی اک تڑپ
اچھا سلام۔ تجھ کو اگر ناگوار ہے

اس مجموعہ کلام کو اصولاً" ماہ دسمبر ۱۹۹۵ء تک قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ جانا چاہئے تھا لیکن چند ناگزیر حالات کے سبب طباعت میں تاخیر ہوئی اور اب آج ۱۳ مارچ ۱۹۹۷ء کو اس کی اشاعت ممکن ہوسکی۔ یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ آج ۱۳ مارچ کو آپ کی

برق آلہ آبادی اور ان کا کرب مسلسل

جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس کی پریشانی وپراگندگی' شکست وریخت اور تعمیرو تشکیل کے ہزار رخ رکھتی ہے۔ جہاں ہر لحظہ بڑھتی ہوئی رفتار نے فاصلوں کو سمیٹ لیا ہے وہاں نئے فاصلے اور نئی وسعتیں دریافت کی ہیں اور یہی دریافت شاعری کا اصل جوہر ہے لیکن کچھ شعراء ایسے بھی ہیں جنہوں نے بدلے ہوئے حالات اور عصری تقاضوں پر روایت کو فوقیت دی ہے اور غزل کو اس کے قدیمی وروایتی تناظر میں دیکھنا پسند کرتے ہیں اور ان کے نزدیک جدید تقاضوں سے ہم آہنگی Voice in the Wilderness صدا بصحرا ہوتی ہے۔ برق الہ آبادی کا شمار ان شعراء میں ہوتا ہے جو شاعری میں اپنی عزیز روایت کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ برق الہ آبادی کی شاعری ایک شدید داخلیت کا انداز لئے ہوئے ہے لیکن ان کی داخلیت مریضانہ داخلیت نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنی ذات کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اپنے حالات وگردوپیش وواقعات وواردات قلبی کا اپنی شاعری میں جائزہ لیا ہے اور زمانے کی Treasonous غداری وبے وفائی کا ذکر بھی اپنی شاعری میں جابجا کیا ہے۔

کوئی انیس نہیں زندگی ہے اب تنہا
ہوا ہے درپئے آزار یہ نصیب مرا

=====O=====

دن تو کٹ جاتا ہے ہنگامہ دنیا کے سبب
رات جب آتی ہے مشکل سے سحر کرتا ہوں

برق الہ آبادی کا مجموعہ کلام "کرب مسلسل" ان کی شخصیت اور انداز فکر کا

چنتے پھرتے ہیں جو گلیوں میں پرانے کاغذ
ایسے بچوں کو کبھی ہم بھی ذرا پیار کریں
مصلحت چھوڑ دیں اب وقت عمل آیا ہے
ظلم کو ظلم کہیں امن کا پرچار کریں

آج کے شاعر کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ آج کا قاری بے حد روشن خیال ہے وہ اپنے گردوپیش کے بدلتے ہوئے حالات کو شعری قالب میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتا ہے لیکن عموماً" شاعر اپنے حالات وواردات قلبی سے متاثر ہو کر شعر کہتا ہے۔ یہی تضاد شاعر کو معروف ومقبول نہیں ہونے دیتا۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ برق الہ آبادی ایک روایتی شاعر ہیں اور انہوں نے اپنی شاعری میں موضوع اور ہیئت کے تجربے نہیں کئے۔ وہ بنیادی طور پر جذبات واحساسات کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں غزل کا بھرپور رچاؤ پایا جاتا ہے۔ اگر ان کے یہاں روایت سے ہٹ کر کچھ اشعار ملتے ہیں تو وہ قطعی Incidentally ہیں۔ ان کی غزلیں ان کی فکر کی آئینہ دار ہیں۔

سیلاب غم کا زور جو مدت سے دل میں ہے
آتا نظر ہے برسر مژگاں کبھی کبھی

=====O=====

لگی ہے آگ پڑی ہیں ہر ایک جا لاشیں
تمام شہر پہ آسیب جیسا سایہ ہے

=====O=====

تو اگر کر نہ سکے پیار مجھے پیار نہ کر
یوں سربزم تو اس بات کا اظہار نہ کر

آل محمد رزمی

"کرب مسلسل" کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ کسی بیقراری وبیتابی نے ہی شعر کی صورت میں ظہور کیا ہے جو سانحہ تنہائی وفراق مسلسل اور قرب مکمل کی داستان ہے۔ یہ بطون ذات سے لفظوں کی صورت میں وہ پھوٹی ہوئی روشنی ہے جو ہجرزدگان کی رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سچے اور پاکیزہ رشتوں کی شاعری ہے اور طہارت نفس اور اخلاقی قدروں کو اجاگر کرتی ہے۔ "کرب مسلسل" کی شاعری کا لب ولہجہ اور انداز دوسرے شعراء سے بہت مختلف ہے۔ یہ بڑی سچی اور کھری شاعری ہے۔ کسی مبالغے سے بھی پاک۔ حالانکہ تھوڑا بہت مبالغہ شاعری میں حسن پیدا کرتا ہے لیکن صداقت احساس نے اس شاعری میں عجیب حسن سمودیا ہے۔ یہ ایسی شاعری ہے جسے خودکلامی اور محبوب سے غائبانہ گفتگو سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور ایسی دھیمے لہجے کی شاعری تو قاری کے دل میں وہ آگ روشن کرتی ہے جس کے بغیر انسانی وجود بے حیثیت ہو کر رہ جاتا ہے۔

جانے والی چلی گئی لیکن
آنسوؤں کی لگی رہی برسات

اور وہ جانے والی کیسی تھی۔

مومنہ خوش مزاج خوش گفتار
خوش بیانی مثال قند ونبات

ایسی ہستی کے بچھڑنے سے جو عالم ہوتا ہے اور جو وقت رخصت اشارے اور وعدے ہوتے ہیں انہیں کس سادگی سے شاعری کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

اب تمہارے چلے جانے سے ہوا ہے برباد
میرا وہ گھر جسے کیا کیا نہ سنوارا تم نے
نقش ہے برق کے دل پر وہ تمہارا پیغام
آنکھوں آنکھوں میں کیا تھا جو اشارہ تم نے

اور وہ اشارہ کیا تھا۔

میں جانتا ہوں کہ آنا محال ہے اس کا
گنا ہی کرتا ہوں پھر بھی میں انتظار کے دن

=====○=====

مدافعت نہ ذرا کرسکے حواس مرے
درون خانہ دل اس طرح وہ در آیا

=====○=====

زندگی کیوں ہوئی عذاب نہ پوچھ
ہم نفس مجھ سے میرے خواب نہ پوچھ

=====○=====

ہمارا ملنا وہاں جس جگہ پہ چھاؤں نہ تھی
وہ سخت دھوپ کا دلکش عذاب یاد کرو

اور اس دلکش عذاب کا بھی کوئی جواب ہے۔ اور اب آخر میں عشق کا بھرم اور پیار کا مشروط ہونا ملاحظہ کیجئے۔

مری حیات ہے مربوط تیرے پیار کے ساتھ
مگر یہ پیار بھی مشروط ہے وقار کے ساتھ

امید فاضلی

ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے مترادف ہوگا اس لئے کہ "فریاد کی کوئی لے نہیں ہے" لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان کا کلام فن کے اچھوتے پن سے یکسر عاری ہے۔ ان کے یہاں ویسے تو ان کے خیالات کی وسعت' فکر کی بلندی' روزمرہ' محاورے یہ سب بدرجہ اتم آپ کو ملیں گے لیکن ان سے ہٹ کر اشعار میں ان کی وارفتگی آپ کو اپنے عروج پر نظر آئے گی جس کا تاثر ہر ذی حس دل کو اپنی طرف بے ساختہ متوجہ کرے گا اور یہی شاعر کا کمال ہے۔ بغیر کسی تاثر کے کوئی بھی شعر اپنی ہمہ جہت افادیت کو برقرار نہیں رکھ سکتا ہے۔ تاثر کے لئے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر شعر کہنا پڑتا ہے۔ وہ شاعر کے مشاہدات پر مبنی ہو یا اس کا انحصار واردات قلبی پر ہو۔ خود ایک حساس دل جتنا پراثر شعر کہتا ہے اس کا عشر عشیر آپ کو دوسروں کے یہاں نہیں ملے گا۔ برق الہ آبادی صاحب کی زیر نظر کتاب میں جتنے بھی اشعار انہوں نے لکھے وہ ان کے واردات قلبی کے آئینہ دار ہیں۔

بیٹھ جاتا ہوں سر راہ کبھی گھبرا کر
اب کہاں جاؤں کوئی سامنے منزل ہی نہیں

=====○=====

اب تو آتی نہیں آواز جرس کانوں میں
پھر کوئی قافلہ لوٹا گیا منزل کے قریب

=====○=====

لگا سکا نہ کوئی ایسی دوستی کا سراغ
سدا رہے جو زمانے میں اعتبار کے ساتھ

=====○=====

آج پھر غم نے سر ابھارا ہے
اس نے شاید مجھے پکارا ہے

=====○=====

یہ غم یہ درد یہ تنہائیاں خدا کی پناہ
یہ زندگی مجھے لگتی ہے اب سزا کی طرح

=====○=====

وہ تو اک جز تھا مل گیا کل سے
اب ہمارا ہے نے تمہارا ہے

=====○=====

نہ جانے برق کہاں لے گیا خیال مجھے
خوشی کا دن بھی یہ میرے لئے عذاب ہے آج

برق زیدی

وتصادم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ ظہور پذیر ہوتا ہے جو ظلم وفساد کے ذریعہ دنیا کو جہنم کا نمونہ بنادیتا ہے۔

انسان کی فطرت اولی انسانوں کے درمیان جس تعلق کا تقاضا اور تصدیق کرتی ہے وہ محبت کا تعلق ہے۔ الہامی مذاہب میں انسانیت کی کہانی کا آغاز حضرت آدمؑ سے ہوتا ہے۔ حضرت آدمؑ کو جنت میں ہر طرح کی نعمتیں میسر تھیں لیکن ان کے لئے حقیقی تسکین اور راحت ومسرت کا سرچشمہ ان کی وہ رفیق حیات تھیں جن کا تعلق خود اپنی جنس یعنی انسانیت سے تھا۔ کسی رفیق حیات کے بغیر جنت کی نعمتیں بھی لطف ومسرت کے اسباب مہیا نہیں کرسکتیں۔ انسانی فطرت کی یہی وہ حقیقت ہے جسے برق الہ آبادی نے اپنی شاعری کے ذریعہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذرا اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو دنیا کا تمام ادب اور فن اس حقیقت کے سرچشمہ سے اپنی زمینوں کو سیراب کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

برق الہ آبادی اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ آسودگی کی جنت میں رہ رہے تھے۔ ان کی شریک حیات کی موت مرحومہ کو تو جنت الفردوس کی طرف لے گئی لیکن شاعر کی زندگی کو ایک کرب مسلسل کا نمونہ بناگئی۔ اپنے ان ہی احساسات کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

برق مجھ کو یقین کامل ہے
خلد میں ہیں مری رفیق حیات

=====O=====

آگئی ہیں مجھے لینے کو مقدس روحیں
میں تو اب جاتی ہوں بے خوف و خطر تم جانو

=====O=====

اب تمہارے چلے جانے سے ہوا ہے برباد
میرا وہ گھر جسے کیا کیا نہ سنوارا تم نے

میں بھول سکتا نہیں برق عمر بھر ان کو
وہ دن جو گزرے مرے اک وفا شعار کے ساتھ

لیکن کبھی کبھی وہ اس حصار سے باہر آکر اس طرح کے شعر بھی کہتے ہیں۔

چنتے پھرتے ہیں جو گلیوں میں پرانے کاغذ
ایسے بچوں کو کبھی ہم بھی ذرا پیار کریں
مصلحت چھوڑ دیں اب وقت عمل آیا ہے
ظلم کو ظلم کہیں' امن کا پرچار کریں

ہر ایک شخص کو دنیا میں معتبر نہ کہو
چمکتی چیز کو پرکھے بغیر زر نہ کہو
صدا لگاؤ ہر اک در پہ امتحاں کے لئے
ملے نہ بھیک جہاں ایسے درکو در نہ کہو

صورت یہ ہے کہ ذہن بھی بس میں نہیں رہا
رہتا ہے مجھ سے دل بھی گریزاں کبھی کبھی
اپنوں سے سن کے اپنی جفاؤں کا تذکرہ
ہوتا تو ہوگا وہ بھی پریشاں کبھی کبھی

لگی ہے آگ پڑی ہیں ہر ایک جا لاشیں
تمام شہر پہ آسیب جیسا سایا ہے

برق الہ آبادی کے کلام کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے انداز بیان میں بے ساختگی ہے۔ ان کو جذبات کے اظہار پر ایسی قدرت حاصل ہے جو قاری کے دل کو متاثر کرتی ہے لیکن انہیں اپنے فن پر ریاض کرنے کا زیادہ وقت نہیں ملا۔ ان کی

حضرت برق الہ آبادی کی سچی شاعری

مشاہدات و تجربات کے سبب قلب انسانی پر وارد ہونے والی ہر کیفیت ایک جذبے کی حیثیت رکھتی ہے اور ہر جذبہ اپنا اظہار چاہتا ہے۔ جب تک جذبے کا اظہار نہ ہوجائے ایک گھٹن کی سی کیفیت رہتی ہے۔ اس گھٹن سے رہائی حاصل کرنے کے لئے حساس لوگ کوئی نہ کوئی پیرایہ اظہار تلاش کر ہی لیتے ہیں اور انھیں نادانستہ یا دانستہ طور پر کسی نہ کسی فن لطیف کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ بقول جوش "بت تراشی، رقص، موسیقی، خطابت، شاعری ان میں سب سے زیادہ مضبوط اور مقبول سہارا شاعری کو سمجھا گیا ہے۔" متذکرہ بالا ہر پیرایہ اظہار ایک فن لطیف ہے مگر شاعری "فن لطیف ترین" ہے اس لئے کہ شعر ہمیشہ دل کی راہوں اور جذبات کی لہروں پر سفر کرتے ہیں۔ مسرت و شادمانی، قربت و قرابت، ہجر و فراق، غم واندوہ، حزن وملال، محبت و نفرت اور اسی قسم کے بے شمار جذبات کا بحر ذخار قلب انسانی کو گھیرے ہوئے ہے۔ انسان کی زندگی ایسا سفر ہے جس کی منزل متعین ہے۔ اس منزل پر پہنچنے کے لئے ہر انسان کسی کی شرکت کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اگر شریک سفر ہم مزاج و ہم خیال ہو تو سفر آسان اور خوشگوار ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ شریک سفر شریک غم اور شریک راز بھی ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام شریک سفر متعین منزل پر ایک ساتھ نہیں پہنچتے اس لئے جب شراکت ٹوٹ جائے تو غم واندوہ کا ایک سیلاب چھوڑ جاتی ہے اور غم ہجر ایک کرب مسلسل بن کر زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ گزرے ہوئے خوشگوار لمحات کی یاد باقی ماندہ زندگی کا سب سے بڑا سہارا بن جاتی ہے۔

برق الہ آبادی کی شاعری کا مسئلہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ انہوں نے شریک سفر کی طویل رفاقت کے ٹوٹنے کا غم بڑی شدت سے محسوس کیا ہے اور اپنی واردات قلبی کو اشعار میں سمو کر اسے پیرایہ اظہار بنایا ہے۔ انہوں نے بہت سچے شعر کہے ہیں اور ان کے غم کی گہرائی

علم اور ان کے ذاتی غم و خوشی ان کے کلام کا سب سے روشن حصہ ہے۔ برق صاحب کا کلام پختگی کے ساتھ ساتھ موضوع سخن کے تسلسل سے بھی مزین ہے۔

میری دعا ہے کہ ان کا کلام پڑھنے والوں کے لئے ادراک غم کا وسیلہ اور خود ان کے لئے سکون قلب کا ذریعہ ہو۔

شاداں دہلوی

فہرست غزلیات

نمبر شمار		صفحہ نمبر
1	جس کے قبضے میں ہے حیات و ممات	39
2	میں تو اب کرتی ہوں دنیا سے سفر تم جانو	42
3	کیا کیا یہ جو کیا مجھ سے کنارا تم نے	44
4	تم کو دنیا سے چلے جانے میں عجلت کیا تھی	46
5	تم نے بھیجا کوئی پیغام تو آجاؤں گا	47
6	اب حال ہو گیا ہے یہ میرا ترے بغیر	48
7	کچھ تو بولو کسے میں پیار کروں	49
8	ہماری بزم سے اٹھ کر چلا گیا ہے کوئی	51
9	بے کیف زندگی تو کوئی زندگی نہیں	53
10	زندگی اب تری فرقت میں بسر کرتا ہوں	55
11	یوں گیا وہ مجھے چہرہ بھی دکھایا نہ کبھی	56
12	غم و الم سے ہے دوچار یہ نصیب مرا	57
13	ملا وہ برق مجھے عطیہ خدا کی طرح	59
14	ہو تم کو مبارک خلد میں گھر تم حال ہمارا کیا جانو	60
15	ہمارے گلشن ہستی کا اک گلاب تھا وہ	61

فہرست غزلیات

نمبر شمار		صفحہ نمبر
31	زندگی یہ مری اب تو کسی قابل ہی نہیں	83
32	تذکرہ دل کا ہے بیکار کہ اب دل ہی نہیں	85
33	ہمارے سامنے تو بے نقاب آ تو سہی	87
34	کشش بلا کی ترے حسن میں جمال میں ہے	89
35	افق ذہن پہ وہ آج نمودار ہوا	90
36	میں کبھی بار امانت سے پریشان نہ ہوا	92
37	یوں سر راہ جھگڑنا تجھے زیبا تو نہیں	94
38	بات کیا ہے کہ ہر اک بات پہ گھبراتے ہو	95
39	در اصل وہ انسان تو انسان نہیں ہے	97
40	کم سے کم اتنا بتا اس میں صداقت کیا ہے	98
41	ترے چمن سے میں اٹھوں تو پھر کہاں جاؤں	100
42	آؤ سوئے ہوئے اذہان کو بیدار کریں	102
43	ہر ایک شخص کو دنیا میں معتبر نہ کہو	103
44	یوں نہ ہو غم میں مبتلا کوئی	104
45	اٹھتی ہے جب نظر سوئے خوباں کبھی کبھی	106

فہرست غزلیات

نمبر شمار		صفحہ نمبر
61	باقی ہے ابھی رات سنا اور کوئی بات	128
62	اٹھی جو کالی گھٹا کوئی یاد آنے لگا	129
63	دل کسی طرح بھی سنبھلتا نہیں	130
64	جی میں جو آئے وہ کر کوئی تجھے ڈر تو نہیں	131
65	کیا اندھیرا ہے کیا اجالا ہے	132
66	جس کسی پر بھی اس کی نظر ہو گئی	133
67	کوئی شکوہ نہ کچھ شکایت ہے	135
68	دنیا میں مصیبت کے سوا اور نہیں کچھ	136
69	آجائے ایک دن مرا دلبر خدا کرے	137
70	آیا وہ اس طرح کہ خبر عام ہو گئی	138
71	اگر اسے مرا کچھ بھی خیال ہو جائے	139
72	دل کو ہے شوق ملاقات ذرا آجاؤ	140
73	زخم دل اب تو بھرنے لگا	142

جس کے قبضے میں ہے حیات و ممات
ہے فقط ربِّ کائنات کی ذات

جو بھی مخلوق ہے فنا ہو گی
صرف ربِّ قدیر کو ہے ثبات

چند روزہ ہے زندگی کا کھیل
کھا ہی جاتے ہیں موت سے سب مات

روزمرّہ کا تجربہ ہے یہی
موت سے ہے نہیں کسی کو نجات

بات سے بات تو نکلتی ہے
یہ بھی لیکن نئی نہیں ہے بات

میرے گھر بھی مشاہدہ یہ ہُوا
ہُوئیں بیمار جب شریکِ حیات

وہ مرض تھا کہ موت سے پہلے
زندگی دے رہی تھی اپنی زکات

اَچھے لفظوں سے جس کو یاد کریں
ہو گئی ہے ضرور اُس کی نجات

برقؔ مجھ کو یقینِ کامل ہے
خُلد میں ہیں مری رفیقِ حیات

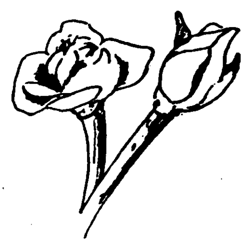

آگئی ہیں مجھے لینے کو مقدّس روحیں
میں تو اب جاتی ہوں بے خوف و خطر تم جانو

جاتے جاتے یہ مری بات ذرا ابرق سنو
موت ہر وقت رہے پیشِ نظر تم جانو

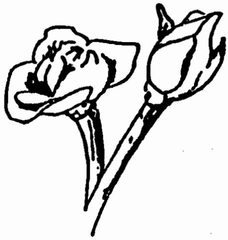

جگمگاتا ہے مژگاں پہ مرا خونِ جگر
جس کو سمجھا ہے کوئی سُرخ ستارا تم نے

جان لیوا ہے بہت اب تو تمہاری فرقت
سچ تو یہ ہے مجھے بے موت ہی مارا تم نے

نقش ہے برق کے دِل پر وہ تمہارا پیغام
آنکھوں آنکھوں میں کیا تھا جو اِشارہ تم نے

تم نے بھیجا کوئی پیغام تو آ جاؤں گا
ورنہ ہونے دو ذرا شام تو آ جاؤں گا

یوں تو لبریز ہے پیمانۂ جاں میرا ابھی
جب بھی چھلکا یہ مرا جام تو آ جاؤں گا

زندگی اب تو گزرتی نہیں تنہا تنہا
ٹھوکریں کھاؤں گا جس گام تو آ جاؤں گا

تم سے تنہائی تمہاری تو نہ کٹتی ہو گی
پھر بھی کر لو ذرا آرام تو آ جاؤں گا

میں تخیّل میں بلانے کا تو قائل ہی نہیں
گر بلاؤ گے سرِ عام تو آ جاؤں گا

تم نے جاتے ہوئے اِک کام جو سونپا تھا مجھے
دیدوں اُس کام کو انجام تو آ جاؤں گا

برقؔ سنتا ہوں میں آواز تمہاری لیکن
جب پکارو گے مرا نام تو آ جاؤں گا

کچھ تو بولو کِسے میں پیار کروں
کِس کو اپنے گلے کا ہار کروں

اَب تو تم بات بھی نہیں سُنتے
مُنکشِف کِس پہ حالِ زار کروں

تُم نے بھی پھیر لی ہیں جب آنکھیں
اَب بھلا کِس کا اِعتبار کروں

دِل تو تنہائیوں میں گُم سُم ہے
کِس طَرح اُس کو ہوشیار کروں

تم بھی آؤ کہ آگئی ہے بہار
میں تمہارا بھی تو سِنگھار کروں

کیوں نہ روؤں کہ چشم ہے پُر آب
نَقد جب ہے تو کیوں اُدھار کروں

اَب تو گِرتے ہیں آنکھ سے موتی
آؤ تم پر انہیں نِثار کروں

ہماری بزم سے اُٹھ کر چلا گیا ہے کوئی
رفاقتوں کے تقاضے بھلا گیا ہے کوئی

یہ زندگی کی حقیقت تو ہے فریبِ نظر
ہمارے آگے سے اُٹھ کر جتا گیا ہے کوئی

اندھیرا اب ہے مقدّر ہماری ہستی کا
چراغِ محفلِ ہستی بجھا گیا ہے کوئی

یہ کس کی یاد میں آنکھیں بنا رہی ہیں گہر
محبتوں کے خزانے لٹا گیا ہے کوئی

ستارے بنتے ہیں کس طرح سے سرِ مژگاں
یہ جاتے جاتے ہمیں گُر سکھا گیا ہے کوئی

وہ لوگ جو کبھی گریہ سے آشنا ہی نہ تھے
انہیں بھی دیکھئے کیا کیا رُلا گیا ہے کوئی

کبھی ہے شدّتِ آہ و فغاں کبھی آنسو
عجیب راہ پہ مجھ کو لگا گیا ہے کوئی

بے کیف زندگی تو کوئی زندگی نہیں
وہ گُل ہی کیا ہے تازگی جس میں کوئی نہیں

تیرے بغیر ایک اندھیرا ہے ہر طرف
دل بُجھ گیا ہے دِل میں بھی اب روشنی نہیں

کسبِ ضیا سے ہو گیا محروم چاند بھی
اَب نام کو ہے چاند مگر چاندنی نہیں

طُولِ غمِ فراق سے مُرجھا گئے ہیں پھول
دِل کے چمن میں ایک بھی باقی کلی نہیں

سَب مُسکراہٹیں بھی گئیں تیرے ساتھ ساتھ
لَب ہیں مگر لبوں پہ ذرا بھی ہنسی نہیں

رہتے ہو اَب بھی ساتھ مرے تم نفَس نفَس
میں تم کو بھول جاؤں یہ ممکن کبھی نہیں

گُم ہو گیا ہوں شدّتِ غم میں کچھ اِسطرح
خود اپنے آپ کی بھی مجھے آگہی نہیں

زِندگی اب تری فُرقت میں بسر کرتا ہوں
تیری یادوں کے سہارے ہی گُذر کرتا ہوں

دِن تو کٹ جاتا ہے ہنگامۂ دُنیا کے سبب
رات جب آتی ہے مُشکِل سے سحر کرتا ہوں

ٹوٹتا ہی نہیں یادوں کا تسلسُل ہرگز
تیری تصویر پہ جِس وقت نظر کرتا ہوں

صبر کِس طرح کروں صبر تو ہوتا ہی نہیں
ہر گھڑی دامنِ بے صبر کو تر کرتا ہوں

دیکھتا ہوں تُجھے ہر سمت سے آتے جاتے
اِک نگاہِ دِل بیتاب جِدھر کرتا ہوں

لوگ اکثر مُجھے سمجھاتے ہیں گریہ نہ کرو
سُن کے پھر بھی میں وہی بارِ دِگر کرتا ہوں

برقؔ تیّار ہے اب رختِ سفر میرا ابھی
اُس کو پہلے سے میں آنے کی خبر کرتا ہوں

غمِ و اَلم سے ہے دو چار یہ نصیب مرا
خوشی کا کیا کرے اِظہار یہ نصیب مرا

کوئی انیس نہیں زندگی ہے اب تنہا
ہُوا ہے دَر پئے آزار یہ نصیب مرا

نہیں ہے پاس مرے کچھ سوائے حُزن و ملال
ہے مجھ سے اِس لئے بیزار یہ نصیب مرا

دَمِ سفر وہ کہا چاہتا تھا کچھ لیکن
رَہی نہ طاقتِ گُفتار یہ نصیب مرا

اگرچہ آہٹیں ہوتی ہیں میرے در پہ مگر
کوئی نہیں پسِ دیوار یہ نصیب مرا

تمہاری خیر ہو چارہ گرو مجھے چھوڑو
تمہیں بھی کر نہ دے بیمار یہ نصیب مرا

دِکھاتا تم کو میں آکر یہ پاؤں کے چھالے
مگر سفر تو ہے پُر خار یہ نصیب مرا

مِلا وہ برق مجھے عطیۂ خدا کی طرح
وہ میرے ساتھ رہا حاصلِ دعا کی طرح

وہ آیا جب تو لگا اجنبی مجھے لیکن
وہ ہمکلام ہوا ایک آشنا کی طرح

وہ زندگی کے نشیب و فراز سے گذرا
مرے قدم بہ قدم پیکرِ وفا کی طرح

بچھڑ گیا وہ جو اِک دِن تو پھر کبھی نہ مِلا
تلاش کرتا رہا میں اُسے صبا کی طرح

پکارتا رہا میں کُو بہ کُو اُسے لیکن
رہی صدا مری صحرا میں اِک صدا کی طرح

یہ غم یہ درد یہ تنہائیاں خدا کی پناہ
یہ زندگی مجھے لگتی ہے اب سزا کی طرح

وہ اُس کا نام جو کندہ ہے برق دِل پہ مرے
مِٹا سکے گا بھلا کون نقشِ پا کی طرح

ہمارے گلشنِ ہستی کا اِک گلاب تھا وہ
ہماری چشمِ بصیرت کا اِنتخاب تھا وہ

تمام عمر رہی چاندنی مرے دِل میں
درونِ خانۂ دِل ایک ماہتاب تھا وہ

نہ کیوں ہمارے لبوں پر ہو تذکرہ اُس کا
کتابِ مہر و محبّت کا اِنتساب تھا وہ

وہ اُس کا طرزِ تکلّم بہ خندہ پیشانی
ترنّمِ رگِ جاں تھا کبھی رباب تھا وہ

وہ ایک واقفِ آدابِ زندگی کی طرح
ہماری بزم سے اُٹھا تو کامیاب تھا وہ

وہ اپنی ذات میں مرہم تھا زخمِ دِل کے لئے
کہ شعلہ بار فضاؤں میں ایک سحاب تھا وہ

یہی ہے برقؔ تتمّہ بیان کا میرے
جواب اُس کا نہیں تھا کہ لاجواب تھا وہ

تو جہاں بھی رہے اے جانِ جہاں شاد رہے
دردِ تنہائی مرا تجھ کو مگر یاد رہے

میری دُنیا تو اجڑنا تھی اُجڑ کر ہی رہی
تیری اپنی نئی دُنیا سدا آباد رہے

تو رہے خوش ترے گلشن میں بہاریں آئیں
میرا گلشن رہے آباد کہ برباد رہے

ہو گیا میرا نشیمن تو حوادث کا شکار
تاک میں اب نہ رہے یا کوئی صیّاد رہے

کر لیا میں نے بھی اب اُس کی محبت کا حصار
کہہ دو دشمن مرا چرخِ ستم ایجاد رہے

اُڑ گیا توڑ کے خود اپنے قفس کو طائر
قید میں رہنے سے بہتر ہے کہ آزاد رہے

زندہ رہتا ہے کہیں برق ہمیشہ کوئی
دیکھ۔ شیریں رہی دُنیا میں نہ فرہاد رہے

دِل بہت اب ہے پریشان سُنا کچھ تم نے
بات سُنتا نہیں نادان سُنا کچھ تم نے

وہ تھی مجبوری تمہاری کہ جُدا مجھ سے ہوئے
میری جاں ہو نہ پشیمان سُنا کچھ تم نے

کُفر ہے وعدہ خلافی کہ دُعا میں نہ کروں
میں بھی آخر ہوں مُسلمان سُنا کچھ تم نے

فِکر کی بات نہیں منزلیں آساں ہوں گی
تم ہو خود صاحبِ ایمان سُنا کچھ تم نے

دِل بہلتا ہی نہیں اَب تو جُدائی کے سبب
لوگ بہلاتے ہیں ہر آن سُنا کچھ تم نے

فرق کیا پڑتا ہے اب میرے دِل تنہا کو
ہو وہ گُلشن کہ بیابان سُنا کچھ تم نے

اَب تو اعضاء و جوارِح بھی نہیں ہیں اپنے
ایک باقی ہے فقط جان سُنا کچھ تم نے

کرتا ہوں صُبح و شام دُعاؤں کا تذکرہ
وِردِ زباں ہے اُس کی وَفاؤں کا تذکرہ

اَلفاظ تو قَلیل ہیں مضموں طَویل ہے
مُمکن نہیں ہے اُس کی اَداؤں کا تذکرہ

دِل کو قَرار دیتا ہے آنکھوں کو تازگی
وُہ رات اور اُس کی فَضاؤں کا تذکرہ

وہ اپنے ساتھ ساری بَہاریں بھی لے گیا
اَب رَہ گیا ہے صِرف خِزاؤں کا تذکرہ

اَے چارہ گر تو چھوڑ دے بیمارِ ہِجر کو
بیکار ہے یہ تیری دَواؤں کا تذکرہ

بَخشے ہے مُجھ مَریض کو اِک پُرسُکون نیند
اُس کی سِیاہ زُلفوں کی چھاؤں کا تذکرہ

پھر یاد آگئی ہے وہ زُلفِ درازِ یار
چھیڑا یہ کِس نے آج گھَٹاؤں کا تذکرہ

زِندگی کیوں ہوئی عذاب نہ پوچھ
ہم نفس مجھ سے میرے خواب نہ پوچھ

میرے ہمدم نے مجھ کو چھوڑ دیا
زِندگی کا یہ اِنقلاب نہ پوچھ

رات دِن خستہ حال رہتا ہوں
حال کیسے ہُوا خراب نہ پوچھ

ٹھوکریں کھا رہا ہوں دَر دَر کی
کیسا ہے میرا اِحتساب نہ پوچھ

زِندگی جو بچی ہے تُو لے لے
زِندگی کا مگر حِساب نہ پوچھ

رُک رہی ہے زبانِ عرضِ حال
حال میرا ذرا شِتاب نہ پوچھ

چشمِ پُر آب و دردِ دِل کے ساتھ
زِندہ اب تک ہوں کیوں جواب نہ پوچھ

رابطہ کوئی نہیں کیسے مُلاقات کروں
تم ہی آجاؤ تو اِظہارِ خیالات کروں

سامنے ہے مرے اِک فاصِلۂ موت وحیات
کِس طرح سے میں تمہیں واقفِ حالات کروں

دِن کو مصروف رکھوں کارِ جہاں میں لیکن
بولو پھر رات کو کیا صَرفِ مُناجات کروں

اَب تو ماحول مِرا اَجنبی لگتا ہے مجھے
کُھل کے کِس طرح سے میں تُم سے کوئی بات کروں

ایک عرصہ ہوا مِہماں نہ بنایا تم کو
کاش آجاؤ تو کیا کیا نہ مُدارات کروں

کیا ہوا نَذر کو کچھ پاس نہیں ہے میرے
اپنی جاں نَذر ابھی صُورتِ سوغات کروں

گوہرِ اَشک لُٹاتا ہوں میں اُس کی خاطر
اور کیا برقؔ اُسے پیش میں خِدمات کروں

مُضطَرب وہ ہے برؔق میرے لئے
دِل کی دَھڑکن میں اِک اِشارہ ہے

اَب تمنّا ہے یہی جاں سے گُذر جاؤں کہیں
نام لیتے ہوئے اِک شخص کا مَر جاؤں کہیں

ٹُوٹ کا پھُوٹ کا دِن رَات عمَل جاری ہے
بات ہے اَب تو دِنوں کی کہ بکھر جاؤں کہیں

ساتھ چلتا ہوا پاتا ہوں ہمیشہ اُس کو
مَیں کِسی کام سے بِالفرض اگر جاؤں کہیں

وہ ہے پابندِ وَفا مُجھ کو یقیں ہے لیکن
میں بھی ایسا نہیں وَعدہ سے مُکر جاؤں کہیں

جمع ہوتے ہیں تو ہونے دو رَقیبوں کو ضرور
میں تو بُزدِل نہیں اَغیار سے ڈر جاؤں کہیں

یاد کرتا ہوں اُسے عہدِ وفا کی خاطر
میں ہوں بے خوف کہ نظروں سے اُتر جاؤں کہیں

یاد رکھیں گے مجھے لوگ ہمیشہ دِل میں
کام اِک ایسا کوئی بَرقؔ جو کر جاؤں کہیں

مگر وہ وقت بھی آیا جدا ہوئے ہم تم
ہوئے تمام وہ وعدے سراب یاد کرو

ملے ہو آج مجھے برق مدتوں کے بعد
خموش کیوں ہو وہ باتیں شباب یاد کرو

تُو ایک شخص کی نظروں کا اِنتخاب ہے آج
اُسی کی طرح سے تُو بھی تو لاجواب ہے آج

وہ اِنتظار کی گھڑیاں نہ گِن سکا آخر
وہ جان ہار گیا اور محوِ خواب ہے آج

ہر اِک پَل تری آمد کا مُنتظِر وہ رہا
تُو آ گیا وہ کہیں اور باریاب ہے آج

وہ زِندگی میں اگر کامیاب ہو نہ سکا
پسِ حیات مگر اب تو کامیاب ہے آج

ترے قریب نہیں اب وہ مونس و ہمدم
کتاب ختم ہوئی بند اُس کا باب ہے آج

تُو آج اُس پہ لُٹا دے عقیدتوں کے گہر
وفا کا ہے یہ تقاضا تو یہ ثواب ہے آج

نہ جانے برقؔ کہاں لے گیا خیال مجھے
خوشی کا دِن بھی یہ میرے لئے عذاب ہے آج

ناخُدا کچھ تو بتا کیا ہُوا منزل کے قریب
غرق کشتی ہوئی کس طرح سے ساحل کے قریب

اب تو آتی نہیں آوازِ جَرس کانوں میں
پھر کوئی قافِلہ لُوٹا گیا منزِل کے قریب

تم کو تنہا ہی سفر کرنے کی حاجت کیا تھی
میں بھی تھا آخری اب اپنے مراحل کے قریب

ایک تُم ہو کہ الگ ہو گئے مجھ سے ورنہ
گُل بھی تو ہیں کہ جو رہتے ہیں عنادِل کے قریب

یہ تو سچ ہے کہ وہ آنکھوں سے ہے اوجھل لیکن
یہ بھی سچ ہے کہ وہ رہتا ہے مرے دِل کے قریب

رنگ اُڑ جائے گا محفِل کا اگر میں نہ گیا
کون بیٹھے گا بھلا بانئ محفل کے قریب

قتل کرنا کوئی دُشوار نہیں تیرے لئے
پر ٹھہرنا ترا دُشوار ہے بسمل کے قریب

زِندگی یہ مِری اب تو کِسی قابِل ہی نہیں
دِل کو کیا روؤں کہ پہلو میں مِرے دِل ہی نہیں

اِک سہارا تھا ترا وہ بھی مگر ہے بے سُود
اِتنی دُوری ہے کہ کچھ تجھ سے تو حاصِل ہی نہیں

اب تو تنہا ہی پڑا رہتا ہوں غمگین و ملول
تیری یادوں کے سِوا اور مَشاغل ہی نہیں

بیٹھ جاتا ہوں سرِ راہ کبھی گھبرا کر
اب کہاں جاؤں کوئی سامنے مَنزِل ہی نہیں

تو ہے مَصروف بہت وقت نہیں آنے کا
میں مگر اس تری تاویل کا قائل ہی نہیں

تُو اگر چاہے تو مِلنے کے بَہانے ہیں بہت
مُجھ سے مِلنا تو ترے واسطے مُشکِل ہی نہیں

اِک ترے دَر سے ہی اُمید ہے وابستہ مِری
کیا کروں اور کوئی دَر مُتبادِل ہی نہیں

تذکرہ دِل کا ہے بیکار کہ اب دِل، ہی نہیں
بات کیا کرتے ہو جس بات کا حاصِل، ہی نہیں

وعدہ کرتے ہو مگر صاف مُکر جاتے ہو
کوئی اِس فَن میں تمہارا تو مقابِل، ہی نہیں

فُون کرتا ہوں تمہیں کوئی اُٹھاتا ہی نہیں
جیسے بنگلے میں تُمہارے کوئی عاقِل، ہی نہیں

میرے گھر سے ہے بہت دُور تمہارا بنگلہ
کیسے آؤں کہ مرے اِتنے وَسائِل، ہی نہیں

تم تو گاڑی بھی چلا لیتے ہو آجایا کرو
مُجھ سے مِلنا تو تمہارے لئے مُشکِل، ہی نہیں

کل تو ٹی وی پہ سُنی ہوگی مری تم نے غزل
میں مگر اس طرح سُننے کا تو قائِل، ہی نہیں

اپنے احباب میں کی تم نے غزل کی تعریف
مُجھ سے کہتے ہو سَماعت کے وہ قابِل، ہی نہیں

ہمارے سامنے تو بے نقاب آ تو سہی
وہ جلوۂ رُخِ انور کبھی دِکھا تو سہی

ترے جمال کی کوئی بھی تاب لا نہ سکا
مری نگاہِ تمنّا بھی آزما تو سہی

تری نگاہ نے کتنے کیئے ہیں قتل بتا
ادا بھی کر دے کبھی اُن کا خوں بہا تو سہی

سُنا ہے حُسنِ بیاں کا ترے جواب نہیں
کبھی بھری ہوئی محفل میں کچھ سُنا تو سہی

تو آج اپنی جفاؤں پہ خود پشیماں ہے
قبول ہو گئی میری بھی اِک دُعا تو سہی

ترا خموش بھی رہنا نہیں عذاب سے کم
وفا جو کر نہیں سکتا ہے کر جفا تو سہی

کلی کی ہے یہ تمنّا کہ پھول بن جائے
کبھی چمن میں مری جان مُسکرا تو سہی

کشش بلا کی ترے حسن میں جمال میں ہے
مگر وہ بات کہاں جو ترے جلال میں ہے

کشادہ چشم لچک دار جسم یہ رفتار
بتا تری یہ صفت کس طرح غزال میں ہے

عروج تجھ کو مبارک ہو تیری قسمت کا
یہ صرف میرا ستارہ ہے جو زوال میں ہے

زبان بند ہے سب کی یہ رعب حسن ترا
ترا حصول وگرنہ ہر اک خیال میں ہے

یہ مانا ہجر کی اپنی الگ ہے اک لذت
مگر وہ بات کہاں جو ترے وصال میں ہے

ہجوم رہتا ہے ہر وقت تیرے کوچہ میں
مجھے پتہ ہے تری جان بھی وبال میں ہے

مجھے تو برق کی حالت کا خود نہیں ہے پتہ
سنا یہی ہے کہ وہ مست اپنے حال میں ہے

غم کو سینے سے لگائے ہوئے سب پھرتے ہیں
پھر کسی کا کوئی کس طرح سے غمخوار ہوا
چل دیا سوتا ہوا چھوڑ کے وہ برقؔ مجھے
یہ بھی اچھا ہوا میں دیر سے بیدار ہوا

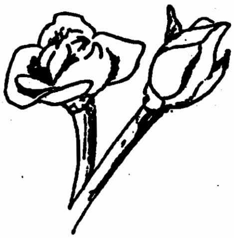

اُس کو گِن گِن کے بتائی گئی ہر ایک جفا
پھر بھی وہ اپنی جفاؤں پہ پشیماں نہ ہُوا

مَیں نے تو اپنے مصائب کی سُنا دی رُوداد
یہ بھی کیا بات ہے اے برقؔ وہ گریاں نہ ہُوا

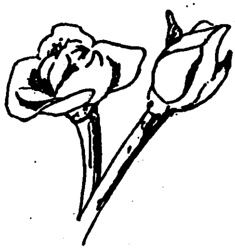

بات کیا ہے کہ ہر اِک بات پہ گھبراتے ہو
ہم کوئی غیر نہیں ہم سے بھی شرماتے ہو

ایک بھی وعدہ کبھی تم سے نبھایا نہ گیا
وعدہ کرتے ہو مگر صاف مُکر جاتے ہو

ہم سے بے بات کئے چین نہیں تم کو مگر
بات سے بات نکل آئے تو کتراتے ہو

گوشۂ چشم سے محفل میں مگر دیکھتے ہو
بات کرتے نہیں کیوں دُور سے تڑپاتے ہو

یہ تو آنا نہ ہُوا جانے کی تیاری ہے
بات ایسی ہے تو کیوں پاس مِرے آتے ہو

ہم تو مغموم ہیں غم کھاتے ہیں اکثر لیکن
تم تو ہر بات پہ بے وجہ قسم کھاتے ہو

کرتے گر ہم پہ بھروسہ تو یہ ہوتا نہ کبھی
اپنی آنکھوں سے گھٹا آج جو برساتے ہو

دَر اَصل وہ اِنسان تو اِنسان نہیں ہے
جو قتل کرے اور پَشیمان نہیں ہے

آئینہ دِکھاتا ہوں اُسے اُس کے عمَل کا
حَیران ہوں اس پر کہ وہ حیران نہیں ہے

وہ دَور تھا کچھ اور تو یہ دَور ہے کچھ اور
اِس دَور کا اِنسان تو نادان نہیں ہے

میں خود نہ گیا ترکِ تعلّق کی بِنا پر
محِفل میں وہاں کیا مِری پہچان نہیں ہے

اِظہارِ محبّت میں فقط لفظ ہیں دو چار
آسان سی یہ بات بھی آسان نہیں ہے

آیا ہے بہت دیر سے وہ چارہ گری کو
اب تو تنِ بے جاں میں کوئی جان نہیں ہے

گھیرا ہے اُسے برق جو عُشّاق نے آکر
خود میں ہوں پریشاں وہ پریشان نہیں ہے

مجھ کو بُلوایا ہے کیوں بھیج کے قاصد اپنا
تیرے عاشق ہیں بہت میری ضرورت کیا ہے

بَرق تیّار ہے آنے کو ترے کوچے میں
ہاں مگر تیرے رَوییّے کی ضَمانت کیا ہے

یہ آج کیسی ہے ہر سُو تری عملداری
جدھر بھی جاؤں چمن میں تو بے اماں جاؤں

یہ بات سُن کہ یہ تیرا چمن ہے میرا چمن
نصیبِ دُشمناں کِس طرح میری جاں جاؤں

یہ بات زیب تو دیتی نہیں ہے برق مجھے
کہ جاؤں اُس کے چمن سے تو سر گراں جاؤں

ہر ایک شخص کو دُنیا میں مُعتبر نہ کہو
چمکتی چیز کو پرکھے بغیر زر نہ کہو

صدا لگاؤ ہر اِک در پہ اِمتحاں کیلئے
مِلے نہ بھیک جہاں ایسے در کو در نہ کہو

نہیں ہیں واقفِ آدابِ رہبری جو لوگ
کبھی بھی ایسوں کو بھُولے سے راہ بر نہ کہو

ہزار راستے جاتے ہیں سُوئے منزلِ شوق
ہر ایک راہ کو تم اپنی رہ گُذر نہ کہو

مزاج اُس کا ہے برہم خدا ہی خیر کرے
کہ بات اب نہیں بنتی کہو اگر نہ کہو

کہو سلام مرا جا کے اُس کی خِدمت میں
پیام میرا کہو گر تو مُختصر نہ کہو

شرر کا حال کبھی جا کے برق سے پوچھو
یہ آہِ سرد ہے اِس کو ابھی شرر نہ کہو

اب کہاں برق اور اُس کا نشاں
لوگ ڈھونڈے ہیں نقشِ پا کوئی!

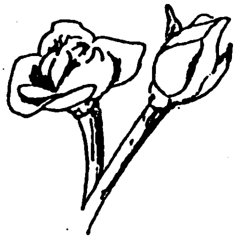

کیا جانے کتنے دِل کو مسلتا ہے راہ میں
چلتا ہے جب وہ حشر بداماں کبھی کبھی

ڈر ہے کہ جل نہ جائے کہیں خرمنِ حیات
اُٹھتا ہے دِل سے شعلہ سوزاں کبھی کبھی

ہوتی ہے جب شرافتِ پیہم سے پرورش
بنتا ہے آدمی کوئی اِنساں کبھی کبھی

ہو جائیں برق دُور یہ ساری شکایتیں
ہوتا رہے وہ گر مرا مہماں کبھی کبھی

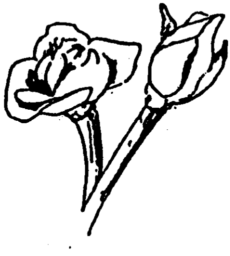

دم جہاں توڑ گئی چرب زبانی میری
کام آئی ہے وہاں اشک فشانی میری

آج پھرتے ہو زمانے میں بگولوں کی طرح
یہ نتیجہ ہے جو اک بات نہ مانی میری

آؤ سو جائیں کہ اب رات بھی ہوتی ہے تمام
ختم تو ہو نہیں سکتی ہے کہانی میری

غیر کیوں میری طرف سے کرے عرضِ احوال
مُدّعا میرا بیاں ہوگا زبانی میری

مجھ کو لوٹا دو مری آہ و فغاں نالہ شبی
تم کو واپس ہی جو کرنی ہے نشانی میری

برق رکھتے ہو اگر دیدۂ بینا دیکھو
اس بڑھاپے میں چھپی ہے وہ جوانی میری

کوئی میرا بھی حرزِ جاں ہوتا
دُشمنِ جاں نہ آسماں ہوتا

بات میری ضرور وہ سُنتا
میں اگر ایک خُوش بیاں ہوتا

گُتھیاں خُود بہ خُود سُلجھ جاتیں
وہ اگر مجھ پہ مہرباں ہوتا

بے یقینی یقین میں ڈھلتی
کاش وہ میرا ہم زباں ہوتا

آزمائش میں ڈالنا تھا مجھے
وَرنہ وہ آج کیوں نہاں ہوتا

تذکرہ اُس کا کون کرتا پھر
مَیں نہ ہوتا تو وہ کہاں ہوتا

اُس کی اُلفت پہ ایک ہو جاتے
پھر کسی کا نہ امتحاں ہوتا

O

نہ پُوچھ مجھ سے مرے دِل کی آرزو کیا ہے
جو بات ہو نہ سکے اُس پہ گُفتگو کیا ہے

یہ مَیں کا اور یہ تُو کا ہے سِلسِلہ تو دراز
نہیں جو مَیں کہیں یَں تو بتا کہ تُو کیا ہے

ترے لئے ہی سجائی گئی ہے بزمِ طَرب
جو تُو نہیں ہے تو یہ بزمِ رنگ و بُو کیا ہے

بڑا مزا ہے گریباں کو چاک کرنے میں
مری نِگاہ میں یہ بخیہ و رفو کیا ہے

گلاب سے تجھے تشبیہہ کیوں نہ دُوں آخر
گلاب کیا ہے بتا لفظِ سُرخ رُو کیا ہے

زباں ہے پاس تو پھر بات کیوں نہیں کرتے
نظر نظر میں یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

بھٹک رہا ہے کہاں تُو شکوں کے دیوانے
جو مِل سکے نہ کبھی اُس کی جُستجو کیا ہے

تمہارے ساتھ جو گذرے ہیں میرے روزِ سعید
مری حیات کا حاصل ہیں وہ بلا تردید

وہ خوشگوار رفاقت وہ پُرسکوں ماحول
نہیں تھی دُور تلک جس کی رِید اور شنید

خلوص و مہر کی تم میں وہی قدیم روِش
اثر نہ کر سکا تم پہ کبھی یہ دَورِ جدید

ہر ایک شب تھی شبِ وصل زندگی میں مری
ہر ایک دن بھی مرے واسطے تھا روزِ عید

یہ کیا ہُوا کہ چلے چھوڑ کر مجھے تنہا
بتاتے جاؤ کہ پھر ہوگی کب تمہاری دید

نہ بھولنا مجھے ہرگز، پہنچ کے منزل پر
رہوں میں یاد ہمیشہ یہ ہے مری تاکید

تمہاری آنکھوں میں آنسو ہیں کیوں دمِ رخصت
مجھے بھی پاس بلانیکی یہ ہے کیا تمہید

دِل پہ جو بیت رہی ہے وہ بیاں کرتا ہوں
تیری آنکھوں سے جو پنہاں ہے عیاں کرتا ہوں

اپنی آنکھوں میں ترا عکس بنا رکھا ہے
تیری صورت کا ہر اک شے پہ گماں کرتا ہوں

تیری فرقت میں گذرتی ہے بتاؤں کیسے
ایک گوشے میں پڑا آہ و فغاں کرتا ہوں

خشک ہوتے ہی نہیں ہیں مرے بہتے آنسو
ایک دریا ہے جو آنکھوں سے رواں کرتا ہوں

دید مشکل ہے مگر دید کی خواہش کے سبب
نام اب تیرا فقط وِردِ زباں کرتا ہوں

کیا پتہ دوں مجھے خود ہی نہیں معلوم کہ مَیں
صبح کرتا ہوں کہاں شام کہاں کرتا ہوں

برق رونے سے نہ روکو کہ یہ آنکھیں ہیں مری
کیا کسی اور کی آنکھوں کا زِیاں کرتا ہوں

رات بھر جاگتے کاٹی ہے ابھی سونے دو
صبح تو روز ہی ہوتی ہے اسے ہونے دو

یہ تو اِعزازِ مَراتِب ہے فِدا کاروں کا
جان کھوتا ہے جو ملّت کیلئے کھونے دو

دستِ قاتل سے لہو چھوٹ نہیں سکتا ہے کبھی
اپنی دانست میں دھوتا ہے اگر دھونے دو

کِشتِ شوریدہ اُگی ہے نہ اُگے گی ہرگز
ظلم کے بیج جو بوتے ہیں انہیں بونے دو

برؔق نے عمر گنوا ڈالی ہے ہنستے ہنستے
اَب جو رویا ہے تو روکو نہ اُسے رونے دو

بہ پاسِ دِل وہ جو اِک عاشقی کبھی کی تھی
وہ رسم اپنے قبیلے میں اِک نئی کی تھی

وہ ابتدائے محبت مِری تھی یوں گویا
دِیا جلا کے اندھیرے میں روشنی کی تھی

رُموزِ مملکتِ عشق پُوچھئے مجھ سے
دیارِ عشق میں مَیں نے بھی خسروی کی تھی

وہ اِحتجاج تھا فرہاد کا ستم کے خلاف
یہ کون کہتا ہے تیشے سے خودکشی کی تھی

کمی خلوص کی شاید تھی وجہِ ناکامی
وگرنہ مَیں نے تو بھرپُور بندگی کی تھی

ذرا سی بات پہ یہ برہمی نہیں اچھی
خُدا گواہ کہ مَیں نے تو دِل لگی کی تھی

وہ برق ساتھ تمہارا نہ دے سکا آخر
کہ تم نے جس کیلئے وقفِ زندگی کی تھی

جلا نہ ڈالے کہیں برق دید کی خواہش
جمالِ یار پہ ممکن نہیں نظر کرنا

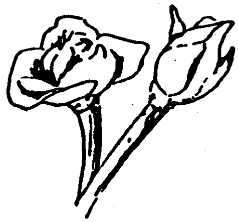

بے گھر ہیں برقؔ زیرِ فلک کیسے کیسے لوگ
میرا شمار بھی ہے اِنہیں بے گھروں کے ساتھ

دردِ دِل میرا کم ہو گیا
کیا اُسے میرا غم ہو گیا

دِل میں اُس کے جگہ مل گئی
میں بھی اب محترم ہو گیا

مجھ کو دیتا ہے اس کی خبر
دِل مرا جامِ جَم ہو گیا

اُس کی آنکھوں نے جو بھی کہا
میرے دِل پر رقم ہو گیا

غم سے مرتا ہے کیسے بشر
غم بھی کیا کوئی سَم ہو گیا

چل دیا وہ مجھے چھوڑ کر
ہائے یہ کیا سِتم ہو گیا

بَرق سُن کر مری داستاں
اُس کا دامن بھی نم ہو گیا

اُٹھی جو کالی گھٹا کوئی یاد آنے لگا
ہر ایک زخمِ دِل و جاں بھی مسکرانے لگا

سُنائی میں نے غمِ ہجر کی اُسے رُوداد
خوشی کے گیت وہ میٹھے سُروں میں گانے لگا

نہ جانے کتنے ترے دَر سے فیضیاب ہوئے
کبھی مجھے بھی مری جاں کسی ٹھکانے لگا

کہاں ہے وہ ترا وَعدہ کہاں ہے قول قرار
رقیب پھر تری گلیوں میں آنے جانے لگا

نہ کر سکا وہ کوئی بات کیوں دمِ رُخصت
یہی خیال تو رہ رہ کے اب ستانے لگا

بسی ہوئی ہے مرے دل میں اسکی جب صورت
جہاں کا حسن نگاہوں میں کب سمانے لگا

کہا جو برق نے رہتا ہے کون دل میں ترے
زمیں پہ لِکھ کے مرا نام وہ مِٹانے لگا

جی میں جو آئے وہ کر کوئی تجھے ڈر تو نہیں
تیرے اس عہد میں کوئی ترا ہمسر تو نہیں

تیری محفل میں ہوئے قتل نہ جانے کتنے
دیکھ ان کشتہ شدوں میں ترے دلبر تو نہیں

جلتے رہتے ہیں شب و روز ہزاروں مسکن
اے صبا تیرے جلو میں کوئی اخگر تو نہیں

کارواں لٹ گیا کیسے سرِ منزل جا کر
راہ زن کوئی کہیں صورتِ رہبر تو نہیں

اڑ کے آ جاتا ترے پاس شکایت لیکر
یہ بھی کر لیتا بصد جبر مگر پر تو نہیں

کس میں جرأت ہے کہ تنقید کرے جو تجھ پر
آج بیباک کوئی مثلِ ابوذر تو نہیں

کون ہے نوحہ کناں آج تری محفل میں
درد کا مارا ہوا برقِ سخنور تو نہیں

کوئی شکوہ نہ کچھ شکایت ہے
میرے رب کی بڑی عنایت ہے

ہوں پریشاں وطن کی حالت پر
لوگ کیسے ہیں کیا ولایت ہے

کاش ہر سمت امن ہو جائے
ہر زباں پر یہی حکایت ہے

ظلم جو بھی کرے سزا پائے
شرپسندوں سے کیا رعایت ہے

ظلم کی شاخ پھل نہیں دیتی
یہ بزرگوں سے بھی روایت ہے

عدل قائم کرو برائے خدا
عدل سب کے لئے کفایت ہے

عدل کی ابتداء کرو خود سے
برقؔ تم کو مری ہدایت ہے

آجائے ایک دِن مرا دِلبر خدا کرے
رشکِ چمن ہو پھر یہ مرا گھر خدا کرے

وہ سنگدِل وفاؤں پہ میری کرے نظر
ہو جائے موم دِل کا وہ پتھر خدا کرے

جسطرح چوٹ کھا کے تڑپتا ہے میرا دِل
ایسی ہی چوٹ کھائے وہ دِل پر خدا کرے

خوابوں میں اسکو دیکھ کے ملتا ہے اک سکوں
آتا رہے وہ خواب میں اکثر خدا کرے

محرومیوں نے گھیر لیا جس طرح مجھے
ایسا نہ ہو کسی کا مقدر خدا کرے

مشروط اسکی دید ہے محشر کے ساتھ اگر
ہو جائے پھر تو آج ہی محشر خدا کرے

فکرِ رسا کو کاش ملے برق روشنی
کہلاؤں میں بھی ایک سخنور خدا کرے

اگر اُسے مرا کچھ بھی خیال ہو جائے
یہ اِعتماد مرا پھر بحال ہو جائے

تھکا چکی ہیں بہت اِنتظار کی گھڑیاں
کہیں نہ دل بھی مرا اَب نِڈھال ہو جائے

دُعائیں مانگتے ہیں سب اسکی زندگی کی مگر
یہ عمرِ خِضر نہ اس کو وَبال ہو جائے

یہ بھیگی رات یہ خوشبو یہ دلنشیں موسم
اگر وہ ایسے میں آئے کمال ہو جائے

وہ مسکرائے تو ہونٹوں سے پھول جھڑنے لگیں
جو طَیش آئے تو چہرہ گُلال ہو جائے

دَرونِ بزمِ طَرب چار چاند لگ جائیں
جو میری بزم وہ رشکِ غزال ہو جائے

وفا شعار لِکھو برق لوحِ تربت پہ
بحکمِ رَب جو مرا انتقال ہو جائے

میرے اعضائے نے بھی اب ساتھ مرا چھوڑ دیا
صِرف باقی ہے مری ذات ذَرا آ جَاؤ

تم تو خود برؔق کے ماضی سے ہو واقف لیکن
دیکھنے آج کے حالات ذرا آ جاؤ

نشّۂ زندگی اَب مِرا
رفتہ رفتہ اُترنے لگا

مَیں نے پالا جنہیں گود میں
آج میں اُن سے ڈرنے لگا

برؔق عبرت نشاں بن گیا
جب کوئی شخص مَرنے لگا